محمد جعفر پھلواروی

اسلام اور مصوّری

عام طور پر یہی سمجھا جاتا ہے کہ تصویریں بنانا یا رکھنا بالکل ناجائز ہے۔ بعض لوگ اسے عدم جواز کے آخری درجے یعنی حرام تک لے جاتے ہیں۔ یہ مسئلہ جب کہ موجودہ دور میں تصویر کشی نے فوٹوگرافی کی ایک نئی شکل بھی اختیار کر لی ہے یقیناً قابلِ غور ہے۔ لطف یہ ہے کہ بڑے بڑے مولانا اور مشائخ حضرات تصویر کشی (فوٹوگرافی) کو ناجائز بھی کہتے ہیں اور جب موقع ملتا ہے تو فوٹو بڑے شوق سے کھنچوا بھی لیتے ہیں[1]۔ اس سے دل میں یہ خلجان پیدا ہوتا ہے کہ جو رہبرانِ قوم زبان سے تصاویر کو ناجائز کہتے ہیں ان کا عمل اس کے خلاف جان بوجھ کر کیونکر ہوا؟ بظاہر تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حضرات معصوم نہیں۔ ان سے جہاں اور بہت سی لغزشیں ہوئیں وہاں اسے بھی ایک لغزش تصور کرنا چاہیئے۔ لیکن ذرا ڈوب کر نفسیاتی جائزہ لیجئے تو اس کا سبب اور کچھ نظر آئے گا۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ ان کے اندر روایات کا احترام بہت ہے لیکن تصاویر کے بارے میں جو احکام ہیں ان کو وہ معمولی کراہت سے زیادہ درجہ نہیں دیتے۔ بس خلافِ اولیٰ یا اس سے کچھ زیادہ سمجھتے ہیں اور اس میں انہیں زیادہ شدت نہیں۔

---

(۱) سرگروہ علمائے حدیث نواب صدیق حسن خانؒ کی قدِ آدم تصویر اب بھی لکھنؤ میں موجود ہے۔ یہ ان کے صاحبزادے نواب سید علی خاں مرحوم کے ڈرائنگ روم میں ہمیشہ رکھی رہتی تھی۔ اہل حدیث کے پیر و مرشد اور حضرت میاں نذیر حسین دہلوی کے شاگرد مولانا شاہ عین الحق پھلواروی کا فوٹو راقم الحروف کے پاس موجود ہے یہ کمر تک ہے۔ اور وہ ازراہِ مزاح فرماتے تھے کہ بھئی جاندار کی تصویر منع ہے اور کمر تک کوئی آدمی جاندار نہیں ہوتا۔ مولانا شاہ سلیمان پھلواروی کی عکسی تصویر خود ان کے سوانح حیات "خاتمِ سلیمانی" میں موجود ہے۔ صوبۂ بہار کی ایک خانقاہ میں پیر مجیب اللہ (متوفی ۱۱۹۱ھ) کی قلمی تصویر ہے جس کے ذریعہ وہاں کے اصحاب سجادہ "برزخ" کی مشق فرماتے ہیں۔ مشہور علماء و محدثین میں سے مولانا عبدالماجد بدایونی، مولانا شبیر احمد عثمانی، مولانا سید سلیمان ندوی، مولانا حسین احمد دیوبندی، مولانا سعید احمد وغیرہم کے فوٹو متعدد جرائد میں بھی شائع ہو چکے ہیں۔ ان کے علاوہ مولانا عبدالحامد بدایونی، مولانا احتشام الحق، مولانا ابوالاعلیٰ مودودی، مولانا داؤد غزنوی، مولانا عبدالماجد دریا بادی وغیرہ وغیرہ کے فوٹو ہم نے بارہا دیکھے ہیں اور ان کو دیکھنے سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ یہ باقاعدہ اتروائی گئی ہیں اور کسی دھوکے یا مجبوری کو اس میں دخل نہیں۔

اگر کبھی شدت کا اظہار بھی ہوا تو اس خوف سے کہ کہیں عوام اس میں انہماک نہ پیدا کریں۔ ایسا کرنے میں کوئی حرج بھی نہیں۔ عوام کے لیے بعض اوقات "بمرگش گیر تا بہ تپ راضی شود" کا اصول بھی برتنا پڑتا ہے۔

لیکن موجودہ دور میں اس مسئلے کی قدریں بہت کچھ تبدیل ہو چکی ہیں۔ پاسپورٹ پر تصویر، سکوں اور نوٹوں پر تصویر، اشتہاروں میں تصویر، کتابوں اور اخباروں میں تصاویر، پوسٹ کارڈ، لفافے اور ٹکٹوں پر تصویر، کتابچۂ شناخت (IDENTITY CARD) پر تصویر۔ غرض ہر طرف تصویروں میں دنیا گھری ہوئی ہے اور ان میں بعض تصاویر تو اتنی ضروری ہو گئی ہیں کہ ان سے ایک مملکت اور اہل مملکت کو مفر ہی نہیں۔ مثلاً

۱۔ بدمعاشوں، غنڈوں، ڈاکوؤں اور جیب کتروں کی تصاویر رکھنا محکمۂ پولیس کے لیے ضروری ہے۔

۲۔ گم شدوں کی تصویر سے ـــــ خواہ وہ بچے ہوں یا بڑے ـــــ ان کی تلاش میں بڑی مدد ملتی ہے۔

۳۔ علم قیافہ کی مہارت کے لیے بھی ـــــ جس سے پولیس اور خفیہ پولیس کو بڑی مدد ملتی ہے ـــــ تصاویر کے بغیر کام نہیں چلتا۔

۴۔ اقوام عالم کے مطالعے کے لیے بھی تمام قوموں کے افراد کی تصاویر دیکھنی پڑتی ہیں۔

۵۔ ڈاکٹری کی تعلیم کے لیے بھی دیگر اعضاء کے علاوہ چہرے کی مختلف تصاویر سے لازماً مدد لینی پڑتی ہے۔

۶۔ مفید فلمیں تیار کرنے کے لیے تصاویر سے مفر ممکن نہیں۔ اور موجودہ دور میں اس سے گریز ممکن نہیں۔

۷۔ بیرونی ممالک میں اپنا پروپیگنڈا کرنے کے لیے تصاویر بھی ناگزیر ہیں۔

۸۔ سائنسی تحقیقات میں بھی فوٹوگرافی کو جو اہمیت حاصل ہے اسے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

ان تمام باتوں کے پیش نظر یہ ضروری ہے کہ تصاویر کے مسئلے پر از سر نو فقیہانہ غور و خوض کیا جائے اور اس کی اباحت و کراہت کی حدود متعین کی جائیں۔ دنیا میں رہتے ہوئے دنیا سے الگ ہو کر محض فتویٰ صادر کر دینے سے کام نہیں چل سکتا۔ یہ عجیب بات ہوگی کہ کسی مسئلے میں صرف حلت و حرمت کا فتویٰ دے کر الگ ہو جایا جائے اور مشکلات کا کوئی حل نہ تلاش کیا جائے۔

ایک مسلمان کی حیثیت سے ہم کسی مسئلے پر اسلام سے الگ ہو کر نہ سوچ سکتے ہیں نہ بول سکتے ہیں۔ اس لیے ہمیں سب سے پہلے قرآن کریم کی طرف رجوع کرنا چاہیئے۔

ہمیں پورے قرآن میں ایک آیت بھی ایسی نہ ملی جس میں یہ کہا گیا ہو کہ تصویر نہ کھنچواؤ۔ یا جو تصویر کھنچوائے گا اس کے لیے دنیا میں یہ سزا یا آخرت میں یہ عذاب ہوگا۔ لہذا اس کے حرام ہونے کا تو کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہو سکتا یہ اس لیے کہ (فقہائے حنفیہ کی تصریحات کے مطابق) حرمت (یا فرضیت) ثابت ہونے کے لیے یہ ضروری ہے کہ

۱۔ ایسی نص صریح ہو جو قطعی الثبوت ہو یعنی اس میں ظن کا کوئی شائبہ تک نہ ہو۔
۲۔ وہ قطعی الدلالہ بھی ہو یعنی اگر وہ آیت قرآنی ہو تو اولاً تو مفسّر ہو یعنی اس میں کسی تاویل یا مجاز کی گنجائش نہ ہو۔ ثانیاً وہ محکم ہو یعنی اس میں کسی نسخ یا تبدیل کا احتمال نہ ہو۔
۳۔ اور اگر وہ حدیث متواتر ہو (جو چند ہی ہیں) تو اس کا مفہوم قطعی ہو۔

حرمت و فرضیت کے بعد وجوب اور کراہت تحریمی کے لیے ضروری ہے کہ:
قطعی الثبوت ہو اور ظنی الدلالہ ہو اور یہ صرف وہ آیات قرآنی ہیں جن میں ظن کا تو کوئی شائبہ تک نہیں ہو سکتا لیکن مفہوم کی تاویل ہو سکتی ہے (یا اس کے برعکس ظنی الثبوت مگر قطعی الدلالہ ہو جیسے بعض احادیث)۔

علامہ ابن عابدین شامی رد المحتار ج اول ص۲۰۶ میں لکھتے ہیں:

الادلة السمعية اربعة: الاول قطعى الثبوت والدلالة كنصوص القرآن المفسرة او المحكمة والسنة المتواترة التى مفهومها قطعى - الثانى قطعى الثبوت وظنى الدلالة كالآيات المؤولة - الثالث عكسه ......
فبالاول يثبت الفرض والحرام وبالثانى والثالث الواجب وكراهة التحريم ......

ادلہ سمعیہ چار ہیں: پہلی وہ دلیل (ماخذ) ہے جو ثبوت اور دلالت دونوں میں قطعی ہو جیسے قرآن کی مفسّر یا محکم آیت ہو یا ایسی متواتر سنت ہو جس کا مفہوم قطعی ہو۔ دوسری وہ دلیل ہے جو ثبوت میں قطعی اور مفہوم میں ظنی ہو جیسے مؤوّل آیات۔ تیسری دلیل ہے جو اس کے برعکس ہو یعنی مفہوم قطعی مگر ثبوت ظنی ہو جیسے وہ اخبار آحاد جس کا صرف مفہوم قطعی ہے.. ... پہلی دلیل سے فرض و حرام ثابت ہوتا ہے اور دوسری نیز تیسری دلیل سے واجب یا کراہت تحریم ثابت ہوتی ہے۔

علامہ شامی کی اس تصریح سے واضح ہے کہ تصاویر حرام تو کسی صورت نہیں۔ البتہ مکروہ تحریمی ہو سکتی ہیں۔ لیکن اس کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ اس کے خلاف کوئی دلیل موجود نہ ہو۔ فرض کیجئے حدیث سے کسی شے کی حرمت تحریمی ثابت ہو اور قرآن اس کے مطابق نہ جاتا ہو تو اس حدیث کی توجیہہ و تاویل کرنی چاہیئے نہ کہ آیت کی۔
جب ہم قرآن کو دیکھتے ہیں تو ہمیں کسی تاویل کے بغیر یہ آیت ملتی ہے کہ:

يعملون له ما يشاء من محاريب وتماثيل وجفان كالجواب وقدور راسيات

سیدنا سلیمانؑ کے لیے (ان کے حکم سے) جنّ کاریگر قلعے، تماثیل، حوض کی طرح بڑے بڑے پیالے (لگن) اور جمی ہوئی (عظیم الشان) دیگیں بناتے تھے۔
تمثال کے معنی اقرب الموارد میں یہ لکھے ہیں:

الصورة المصورة (فی ثوبه تماثیل) ای صور حیوانات مصورة ج تماثیل وقیل التمثال ما تصنعه وتصوره مشبها بخلق الله من ذوات الروح والصورة عامة

تمثال کے معنی ہیں بنائی ہوئی تصویر۔ "اس کے کپڑے میں تماثیل ہیں" کا مطلب ہے کہ جانداروں کی تصویریں بنی ہوئی ہیں۔ تماثیل اس کی جمع ہے۔ بعض اہل لغت کہتے ہیں کہ خدا کی جاندار مخلوق سے مشابہ جو مصنوعات (مجسم شکل ہیں) یا تصاویر ہوں وہ تمثال ہیں۔ اور صورت (تصویر) عام ہے (یعنی جاندار اور بے جان دونوں ہی اس میں داخل ہیں)۔

اس تشریح سے معلوم ہوتا ہے کہ تمثال کا اطلاق زیادہ تر حیوانات کی تصویر اور مجسمے دونوں پر ہوتا ہے۔ یہاں تمثال عام ہے اس لیے اس سے مراد جاندار اور بے جان دونوں ہی ہیں۔ خواہ نقش و نگار کی شکل میں ہوں یا مجسموں کی شکل میں۔ یہاں سیاق و سباق سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ تمثال سے مراد مجسم اور ٹھوس شکل کی مصنوعات ہیں نہ کہ محض تصویر کشی۔ کیونکہ محراب، لگن اور دیگ کی طرح تمثال کا بھی الگ ذکر ہے۔ اگر محض نقش و نگار مراد ہوتا تو پھر قلعے یا لگن یا دیگ میں کسی کے ساتھ فیہ التماثیل کہہ دیا جاتا یعنی سیدنا سلیمانؑ ایسے قلعے لگن یا دیگیں بنواتے تھے جن میں نقش و نگار بھی ہوتے تھے۔

علاوہ ازیں تمثال کا لفظ قرآن کریم میں ایک جگہ اور بھی آیا ہے اور وہ مجسم صورت ہی کے معنوں میں ہے۔ سیدنا ابراہیمؑ اپنی قوم سے فرماتے ہیں ما هٰذه التماثیل التی انتم لها عٰکفون یہ بت کیا ہیں جن سے تم چمٹے ہوئے ہو؟ چند آیتوں کے بعد ہی حضرت ابراہیمؑ کا قول یوں درج ہے کہ لاکیدن اصنامکم (میں تمہارے اصنام (بتوں) کی مرمت کروں گا) پھر آگے ہے فجعلهم جذاذا (ان بتوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ نیز یہ بھی ذکر قرآن میں ہے کہ ...... ضربًا بالیمین (جناب ابراہیمؑ نے ضرب لگا کر توڑا)۔ یہ تمام قرائن بتا رہے ہیں کہ یہاں تماثیل سے مراد مجسم مورتیاں ہیں۔ اور یہی معنی سیدنا سلیمانؑ کی بنوائی ہوئی تماثیل کے ہیں۔ بائبل سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ تواریخ کے تیسرے اور چوتھے باب میں بیلوں اور فرشتوں کے مجسمے بنوانے کا ذکر موجود ہے۔

یہاں یہ بھی سمجھ لینا چاہیئے کہ ایک پیغمبر جتنی چیزیں بنوا رہا ہے اور جن کا یہاں ذکر ہے وہ سب جائز اور کار خیر ہے۔ قلعہ، لگن اور دیگ۔ یہ ممکن ہی نہیں کہ جائز اشیاء کے درمیان میں ایک ناجائز شے (تمثال) کا ذکر آ جائے پھر جب ایک الگ شے (تمثال) کا ذکر ہو رہا ہے اور وہ مجسم ہے تو ظاہر ہے کہ وہ درخت یا پہاڑ کا مجسمہ نہ ہوگا۔ کسی جاندار ہی کا مجسمہ (اسٹیچو) ہوگا۔ خواہ وہ انسان ہو یا پرندہ یا چوپایہ۔ یہ ہے وہ آرٹ جو ایک پیغمبر کی ہدایت و نگرانی اور سرپرستی میں فروغ پا رہا۔ اگر اسے حرام اور ناجائز قرار دیا جائے تو ایسا کرنے سے پہلے اپنے ایمان کی خبر لے لینی چاہیئے۔ ہم اور سب باتیں مان سکتے ہیں لیکن ایک پیغمبر کے متعلق ارتکاب ممنوعات کا تصور بھی

نہیں کر سکتے۔ گویا اب صورت یہ بنی کہ از روئے روایت تصویر ناجائز اور از روئے قرآن ایک پیغمبر اس کی سرپرستی کرتا ہے۔ ان دونوں کے باہمی تناقض کو کس طرح دور کیا جائے؟ یہ ہے سوال جس کا جواب ہمارے نزدیک یہ ہے کہ قرآن کی نہیں بلکہ روایات کی معقول توجیہہ و تاویل کی جائے۔ یا ان کا ایسا پس منظر تلاش کیا جائے کہ قرآن اور حدیث میں تناقض نہ رہے۔

یہاں بالکل وہی صورت حال پیدا ہو جاتی ہے جو موسیقی پر فتویٰ لگاتے وقت ہوتی ہے۔ بعض لوگ موسیقی کو بے تامل حرام کہہ دیتے ہیں اور اتنا نہیں سوچتے ایک پیغمبر (سیدنا داؤدؑ) ساری عمر گاتے اور گواتے رہے بجاتے اور بجواتے رہے اور اس کی الہامی کتاب بھی سراسر "مزامیر داؤد" ہے۔ صاف بات ہے کہ ایک پیغمبر موسیقی کی سرپرستی کرتا ہے اور دوسرا مصوری کی۔ اسے تسلیم کر لینے سے اسلام کا کچھ نہیں بگڑتا۔ البتہ کورانہ قدامت پرستی جمود اور کور ذوقی پر ضرور زد آتی ہے۔

ایک بڑا ضروری نکتہ اور بھی سن لیجئے۔ انسان کا نصب العین ہے خدائی صفات کو اسی توازن سے ایک وحدت بنا کر اپنے اندر جذب کر لینا اور کائنات پر متصرف ہونا۔ خدا رحیم ہے اس لیے بندے کو بھی صفتِ رحمت سے متصف ہونا چاہیئے۔ وہ علیم ہے لہٰذا اسے بھی صاحب علم ہونا چاہیئے وغیرہ وغیرہ۔ یہی وہ مضمون ہے جسے قرآن کہتا ہے۔ صبغۃ اللہ (خدائی رنگ اختیار کرو) اور فرمانِ نبویؐ ہے تخلقوا باخلاق اللہ (خدائی صفات اپنے اندر پیدا کرو)۔ یہ نصب العین ایک ایسا متفق علیہ مسئلہ ہے کہ اس پر کسی مزید بحث کی ضرورت ہی نہیں۔ مگر تعجب یہ ہے کہ اس نصب العین کو درست مانتے ہوئے ہم لوگ یہ بھول جاتے ہیں کہ خدا مصور بھی ہے۔ ھو اللہ الخالق الباری المصور۔ یہاں ہمیں خود سوچنا چاہیئے کہ اس خدائی رنگ کو کس انداز سے اختیار کیا جائے؟ یہ ظاہر ہے کہ خدا کے رحیم و حکیم و علیم کی طرح ہم بھی اپنے اندر رحمت و حکمت اور علم پیدا کریں تو محض ایک جزئی قسم کی مشابہت ہو گی۔ خدا کی برابری نعوذ باللہ کسی طرح بھی نہیں ہو سکتی۔ کہاں خدا کی رحمت، حکمت اور علم اور کہاں ناقص بندے کا رحیم، حلیم اور علیم ہونا۔ عبد و معبود کی صفات میں اتنی نسبت بھی نہیں جتنی ذرے کو آفتاب سے ہے۔ بعینہٖ اسی طرح عبد مصور تو ہو گا لیکن اس کی مصوری ایسی نہیں ہو سکتی کہ وہ اس میں روح بھی ڈال دے۔ وہ پردۂ سیمیں پر چلتی پھرتی اور بولتی ہوئی تصویریں دکھا دے گا لیکن اس میں روح، ارادہ، اختیار اور شعور نہیں پیدا کر سکے گا۔

قرآنی نقطۂ نگاہ معلوم کرنے کے بعد اب احادیث پر بھی نظر ڈالنی چاہیئے۔ تصاویر کے متعلق اس کثرت سے روایات ہیں کہ ان سب کو غلط اور بے سند قرار دینا ممکن نہیں۔ یہاں ہم اصل عبارت کو اختصار کے لیے حذف کر کے صرف اس کے ترجمے پر اکتفا کرتے ہیں۔ ملاحظہ ہو:

صحاح ستہ میں حضرت عائشہ صدیقہؓ سے کئی روایتیں ہیں۔ فرماتی ہیں:

۱۔ میں نے ایک گدّا خریدا جس میں تصویریں تھیں۔ حضورؐ نے دیکھا تو گھر کے اندر نہیں داخل ہوئے۔ بلکہ دروازے ہی پر کھڑے ہو گئے۔ میں نے حضورؐ کے چہرے پر ناگواری کے آثار پائے اور عرض کیا: میں اللہ اور اس کے رسولؐ کی طرف رجوع (توبہ) کرتی ہوں۔ مجھ سے کیا خطا ہوئی ہے؟ فرمایا یہ گدّا کیسا ہے؟ عرض کیا: میں نے حضورؐ ہی کے لیے خریدا ہے تاکہ اس پر جلوہ افروز ہوں۔ اور اس سے تکیئے کا کام لیں۔ فرمایا: یہ تصویریں بنانے والوں کو بروز حشر عذاب ہوگا۔ اور ان سے کہا جائے گا کہ جو کچھ تم نے بنایا ہے اس میں جان بھی ڈالو۔ پھر فرمایا: جس گھر میں تصاویر ہوں اس میں فرشتے نہیں داخل ہوتے۔

۲۔ میں نے حضورؐ کے لیے ایک گدّے نما تکیہ بھرا جس پر تصاویر تھیں۔ حضورؐ جب تشریف لائے تو دونوں دروازوں کے درمیان کھڑے ہو گئے اور چہرہ متغیر ہو گیا۔ عرض کیا: ہم سے کیا ناراضی ہے؟ فرمایا: یہ تکیہ کیسا ہے؟ عرض کیا: میں نے حضورؐ ہی کے ٹیک لگانے کے لیے یہ بنایا ہے۔ فرمایا: تمہیں یہ معلوم نہیں کہ جس گھر میں تصاویر ہوں اس میں فرشتے داخل نہیں ہوتے۔

۳۔ (اسی مضمون کے بعد) میں نے اسے لے کر اس کے دو حصے کر دئیے جس پر حضورؐ گھر کے اندر ٹیک لگایا کرتے۔

۴۔ حضورؐ ایک سفر سے لوٹے اس وقت میں نے اپنے کمرے میں ایک پردہ لٹکا رکھا تھا جس پر تصاویر تھیں۔ حضورؐ نے اسے اتار دیا اور فرمایا بروز حشر سب سے زیادہ سخت عذاب ان لوگوں پر ہوگا جو آفرینشِ خداوندی کی مشابہت یا نقالی کرتے ہیں۔

۵۔ حضورؐ ایک سفر سے لوٹے اس وقت میں نے دروازے پر ایک پردہ لٹکا رکھا تھا جس پر پَردار گھوڑے کی تصویر تھی۔ حضورؐ نے حکم دیا اور میں نے اسے اتار لیا۔

۶۔ حضرت عائشہؓ نے اپنے دروازے پر ایک نمدہ لٹکایا۔ حضورؐ نے جب دیکھا تو جناب عائشہؓ نے حضورؐ کے چہرے سے ناگواری محسوس کی۔ پھر حضورؐ نے اسے لے کر اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے اور فرمایا کہ: ہمیں خدا نے پتھر اور مٹی کو لباس پہنانے کا حکم نہیں دیا۔ حضرت عائشہ نے کاٹ کر اس کے دو تکیئے بنا لیئے اور ان میں کھجور کی لیف دتنے کی چھال، بھر دی اور پھر حضورؐ نے اسے ناپسندیدہ بھی خیال نہیں فرمایا۔

۷۔ (اسی روایت کے بعد) حضورؐ نے فرمایا کہ اس نمدے کو اتار لو کیونکہ یہ مجھے دنیا کی یاد دلاتی ہے۔

اب دوسری روایات بھی ملاحظہ فرمائیے:

۸۔ بخاری، مسلم اور نسائی میں ہے کہ عبداللہ بن عباس سے ایک شخص نے کہا کہ میں یہ تصویریں بنایا کرتا ہوں اس کے بارے میں آپ کا کیا فتویٰ ہے؟ آپ نے کہا: قریب آؤ۔ وہ قریب آیا تو فرمایا: اور قریب آؤ۔ وہ اور قریب آیا تو آپ نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا کہ: جو کچھ میں نے حضورؐ سے سنا ہے وہ تمہیں بتاتا ہوں۔ حضورؐ کو میں نے یہ فرماتے سنا ہے کہ: ہر مصوّر جہنم میں جائے گا۔ اس کی ہر تصویر سے ایک جاندار پیدا کیا جائے گا جو جہنم میں اسے عذاب دیتا رہے گا۔ اس کے بعد ابن عباس نے کہا: اگر تمہیں بنانا ہی ہے تو درخت کی تصویر بناؤ۔ یا ایسی چیز کی جس میں جان نہ ہو۔

۹۔ ابن عباس نے اس شخص سے یوں کہا کہ: میں نے حضورؐ کو یہ فرماتے سنا ہے کہ: جو شخص تصویر بنائے گا اسے اس وقت تک خدا عذاب دیتا رہے گا جب تک وہ اس میں روح نہ پھونکے اور (ظاہر ہے کہ) وہ کبھی بھی اس میں روح نہیں پھونک سکے گا۔ یہ سن کر وہ شخص بڑا ہی غمگین ہوا اور اس کا چہرہ زرد پڑ گیا۔ ابن عباس نے کہا کہ: ارے بھئی اگر تمہیں تصویر گری کرنی ہے تو درخت بناؤ، یا ایسی چیز جس میں روح نہ ہو۔

بخاری اور مسلم میں حضرت ابوہریرہؓ سے ایک حدیث قدسی یوں مروی ہے:

۱۰۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ: اس شخص سے زیادہ ظالم اور کون ہو سکتا ہے جو میری طرح خلق کرنے چلے۔ ایسا ہے تو وہ ایک ذرہ ہی پیدا کر کے دکھائے۔ ایک دانہ ہی پیدا کر لے۔ ایک جو ہی پیدا کرے۔

بخاری، مسلم اور نسائی میں حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ:

۱۱۔ حضورؐ کے مرض وفات میں بعض ازواج النبی نے ماریہ نامی کنیسے کا ذکر کیا۔ ام سلمہؓ اور ام حبیبہؓ نے بھی سرزمین حبشہ کی خوبصورتی اور تصویروں کا ذکر کیا جو انہوں نے وہاں دیکھی تھیں۔ حضورؐ نے اپنا سر اٹھاتے ہوئے فرمایا: ان لوگوں کا دستور تھا کہ جب ان کا کوئی صالح آدمی مرتا تو اس کی قبر پر مسجد بنا دیتے اور اس میں اس قسم کی تصویریں بنا دیتے۔ یہ لوگ بدترین خلائق ہیں۔

بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی اور نسائی میں زید بن خالد عن ابی طلحہ سے روایت ہے:

۱۲۔ حضورؐ نے فرمایا ہے کہ جس گھر میں کوئی تصویر ہو اس میں فرشتے نہیں آتے۔ بسر بن سعید کہتے ہیں کہ زید بن خالد بیمار پڑے تو ہم چند آدمی ان کی عیادت کو گئے۔ وہاں ان کے دروازے پر ایک پردہ آویزاں تھا جس پر تصویریں بنی تھیں۔ میں نے عبداللہ الخولانی سے کہا کہ آج سے پہلے زید ہی نے تصویروں کے بارے میں حدیث نبوی نہیں سنائی تھی؟ یہ سن کر عبداللہ خولانی نے کہا کہ: تم نے ان سے وہ استثنا نہیں سنا تھا کہ الا رقما فی ثوب (بجز اس کے کہ کسی کپڑے پر چھپی ہو)۔

ترمذی، نسائی اور مؤطا میں ابوطلحہ سے روایت ہے کہ:

۱۳- ابوطلحہ بیمار تھے۔ انہوں نے کسی کو بلایا کہ ان کے نیچے سے نمدہ نکال دے۔ سہل بن حنیف نے پوچھا کہ: کیوں نکلوا رہے ہیں؟ ، اس لیے کہ اس میں تصویریں ہیں اور حضورؐ نے تصویروں کے متعلق جو کچھ فرمایا ہے وہ تم جانتے ہی ہو۔ سہل نے کہا کہ حضورؐ نے یہ نہیں فرمایا ہے کہ: کپڑے پر جو تصویر ہو وہ مستثنیٰ ہے؟ ابوطلحہ نے کہا: ہاں یہ ٹھیک ہے لیکن میرے ضمیر کا اطمینان اسی میں ہے (کہ نکلوا دوں)۔

بخاری اور ابوداؤد میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے:

۱۴- حضورؐ حضرت فاطمہؓ کے گھر تشریف لائے تھے۔ دروازے پر ایک منقش پردہ لٹکا ہوا دیکھا تو اندر نہیں داخل ہوئے۔ جب حضرت علیؓ آئے تو حضرت فاطمہؓ کو مغموم پایا۔ انہوں نے حضرت علیؓ سے واقعہ بیان کیا۔ حضرت علیؓ نے حضورؐ سے اس کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ: فاطمہؓ پر حضورؐ کی واپسی بڑی شاق گزری ہے۔ حضورؐ نے فرمایا: میرا دنیا سے اور نقش و نگار سے کیا واسطہ؟ حضرت علیؓ نے جا کر حضرت فاطمہؓ کو یہ بتایا اور آپؓ نے حضرت علیؓ کو لوٹا کر دریافت کرایا کہ حضورؐ اس پردے کے متعلق کیا حکم دیتے ہیں؟ حضورؐ نے جواب دیا: یہ پردہ کسی حاجت مند کو بھیج دو۔

ابوداؤد میں سفینہ سے روایت ہے کہ:

۱۵- ایک شخص نے حضرت علیؓ کی دعوت کی اور کوئی کھانا تیار کیا۔ حضرت فاطمہؓ نے کہا کہ: کاش حضورؐ کو بھی مدعو کر لیتے تو حضورؐ بھی ہمارے ساتھ کھا لیتے۔ چنانچہ دعوت دی اور حضورؐ تشریف لائے۔ حضورؐ نے چوکھٹ پر ہاتھ رکھا تو دیکھا کہ مکان کے ایک گوشے میں پردہ آویزاں ہے۔ یہ دیکھ کر حضورؐ لوٹ آئے۔ حضرت فاطمہؓ نے حضرت علیؓ سے کہا کہ حضورؐ کے پیچھے جا کر معلوم کرو کہ حضورؐ کیوں لوٹ گئے؟ حضرت علیؓ پیچھے پیچھے گئے اور دریافت کیا کہ حضورؐ کیوں لوٹ گئے؟ حضورؐ نے فرمایا کہ: میرے بلکہ کسی نبی کے لیے آراستہ گھر کے اندر داخل ہونا روا نہیں۔

مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ:

۱۶- جبریل میرے پاس آئے اور کہا کہ: میں گزشتہ رات آپؐ کے پاس آیا تھا لیکن اندر آنے سے مجھے صرف اس بات نے روک دیا کہ گھر کے اندر ایک ایسا پردہ تھا اور ایک کتا بھی تھا اور گھر کے دروازے پر انسانوں کی تصویر بھی تھی۔ اس کے بعد حضورؐ تصویر کے پاس گئے اور اسے کاٹ کاٹ کر درخت کی سی شکل (غیر ذی روح) بنا دی۔ پھر پردے کے پاس گئے اور پھاڑ کر دو ایسے تکیے بنا دیئے جو روندے جا سکیں (یعنی نیچے بچھائے جانے والے گدے) اور کتا دراصل حضرت حسنؓ یا حضرت حسینؓ کا ایک پلا تھا جس سے وہ کھیلتے تھے اور وہ ان کے پلنگ کے نیچے تھا۔ حضورؐ نے اسے نکلوا دیا۔

بخاری میں حضرت انس سے روایت ہے:

۷۔ حضرت عائشہؓ کے پاس ایک مصوّر پردہ تھا جو سامنے لٹکا رہتا تھا۔ حضورؐ نے فرمایا: اپنا پردہ سامنے سے ہٹا لو کیونکہ تصویروں سے میری نماز میں خلل پہنچتا ہے۔

ان تمام روایات کو ازابتدا تا انتہا غلط نہیں کہا جا سکتا۔ لیکن بہت سی باتیں غور طلب ہیں:

پہلی چھ روایتیں ایسی ہیں کہ اگر ان کو متعدد واقعات تسلیم کیا جائے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عائشہؓ نے کئی بار یہ غلطی فرمائی اور ہر بار حضورؐ کو تنبیہ کرنی پڑی اور یہ بعید از قیاس معلوم ہوتا ہے۔ حضرت عائشہؓ سے یہ بہت بعید ہے کہ حضورؐ ایک بات سے حضرت عائشہؓ کو روکیں اور وہ پھر اسی قسم کی غلطی کا ارتکاب کر کے متنبّہ کی جائیں۔ اور اگر یہ سارے واقعات ایک ہی ہوں جن کو راویوں نے مختلف الفاظ سے بیان کیا تو کئی جگہ اس میں "اضطراب" سا پیدا ہوتا ہے۔

آپ کو ان روایات میں "اضطراب" اور باہمی اختلاف نظر آئے گا۔ اور اکابر امت نے ان روایات کی جو تفسیریں کی ہیں اور ان کا جو کچھ اس پر عمل رہا ہے ان سب کو دیکھئے جب بھی بڑا تخالف دکھائی دے گا۔ آیئے سب سے پہلے ہم قرآن مجید کی روشنی میں اس کا فیصلہ کریں۔

اس قرآنی تصریح پر سب سے پہلے غور کیجئے کہ ایک طرف سیدنا ابراہیمؑ ہیں جو مجسموں کے ٹکڑے اڑا رہے ہیں اور دوسری جانب سیدنا سلیمانؑ ہیں جو خود ہی مجسمے بنوا رہے ہیں۔ سوچئے ان پیغمبروں کے فعل میں اتنا عظیم الشان تناقض کیوں ہے؟ یہی ہے وہ نکتہ جس کی طرف لوگوں کی نگاہ نہیں گئی ہے حالانکہ اسی کے حل سے مندرجہ بالا روایات کا اضطراب و اختلاف بھی حل ہو جاتا ہے اور اسی کسوٹی پر اکابر امت کے آراء و عمل کو بآسانی پرکھا جا سکتا ہے۔ اور اسی معیار کے مطابق جاندار اور بے جان تصویروں کے فرق کا فیصلہ بھی ہو سکتا ہے۔

بات کچھ زیادہ پیچیدہ نہیں۔ بہت صاف ہے۔ تصویر خواہ انسان کی ہو یا درخت اور پہاڑ کی۔ مجسمہ ہو یا منقوشہ ان دونوں میں کوئی خاص فرق نہیں۔ فیصلہ اس مقصد سے ہوگا جو تصویر کشی یا تصویر سازی سے قائم کیا جائے۔ اگر پوجا کا رجحان ہو تو گائے اور پیپل اور گنگا کی تصویر بھی ناجائز ہے۔ اور اگر یہ نہ ہو تو تصویر محض ایک آرٹ ہے خواہ وہ انسان ہی کی کیوں نہ ہو۔ اسی طرح اخلاق سوزی یا کوئی اور گرا ہوا مقصد پیش نظر ہو تو خواہ اسلحہ خانے کی تصویر ہو ناجائز ہوگی۔ اور مقصد بلند ہو تو سینۂ زن کی عکاسی بھی روا ہوگی۔ فرض کیجئے ایک مسلمان جو کسی دشمن ملک کا ایجنٹ ہو ۔۔۔۔ ایک اسلامی ملک کے پوشیدہ اڈّوں کی تصویر دشمن ملک میں بھیجنے کے لیے لے تو خواہ اس کے اندر ایک جاندار کی بھی تصویر نہ ہو وہ حرام ہوگی اور ہمارے نزدیک تو اسے قتل بھی کیا جا سکتا ہے۔ اور اگر

ڈاکٹر "تشریح" کی تعلیم کے لیے سینۂ زن کی تصویر بھی کھینچتا ہے تو اس کے جواز میں شبہ کرنا درست نہیں۔

جناب خلیل اللہ نے ٹھیک کیا جو اصنام کے ٹکڑے اڑائے اس لیے کہ ان کی معبودیت، اور الوہانہ عظمت پر ضرب لگانا مقصود تھا۔ اور حضرت سلیمانؑ نے جو مجسمے بنائے وہ بھی ٹھیک کیا کیونکہ اس سے مجسموں کی کوئی عظمت نہ قائم ہو رہی تھی بلکہ وہ صرف آرٹ تھا۔ بلکہ شاید اس سے ان مجسموں کی عظمت ختم ہی ہو رہی تھی کیونکہ گاؤ پرستی سیدنا موسیٰؑ کے وقت سے چلی آ رہی تھی اس لیے وہاں ڈھلے ہوئے تالاب کو نیچے سے بارہ بیل اٹھائے ہوئے دکھائے گئے تھے۔ اور صندوق عہد کو دو فرشتے اپنے پروں سے سایہ کیے ہوئے تھے۔ کوئی عجب نہیں کہ اس سے یہ واضح کرنا مقصود ہو کہ بیل گائے ہوں یا فرشتے یہ سب تمہارے خدام ہیں معبود نہیں۔

تصویر سازی کا صحیح موقف صرف اسی قدر ہے اور تمام روایات کو اسی نقطۂ نظر سے دیکھنا چاہیئے۔ ہمارا مطلب یہ نہیں کہ صرف یہی ایک نقطۂ نگاہ ہے۔ کہنے کی غرض صرف اس قدر ہے جہاں حضورؐ نے تصاویر کو شدت کے ساتھ ناپسند فرمایا وہاں یا تو تصاویر پرستی کا شائبہ ہونے کا خطرہ ہوگا یا ایسی ہی کوئی اور وجہ ہو گی۔ حدیث ع۱ میں اسی کی طرف اشارہ ہے۔ اور جہاں معمولی کراہیت کا اظہار فرمایا ہوگا وہاں خطرہ بھی معمولی سا ہوگا۔ اس خاص دور میں بہت سی اور وجوہ بھی تھیں جن پر آج کے دور میں عموماً غور نہیں کیا جاتا۔ مثلاً:

۱۔ حضورؐ سادگی کو پسند فرماتے تھے۔ اور اپنے گھر والوں کو تو قطعاً تکلفات کو پسند نہ فرماتے تھے۔ یہ تو آپ آج بھی دیکھ سکتے ہیں کہ بچے یا عورتیں شوخ رنگ کے کپڑے پہن لیتے ہیں اور سن رسیدہ یا سادہ مزاج لوگ پسند نہیں کرتے۔ ذرا آپ سوچیے اگر آج ایک مولوی خطیب مسجد تصاویر کشیدہ لباس پہن کر نکلے تو کیسا عجیب معلوم ہوگا۔ حضورؐ کس طرح اس قسم کی شوقینی کو پسند فرما سکتے تھے؟ حدیث ع۷، حدیث ع۱۳ اور حدیث ع۱۴ میں یہی اشارہ ہے۔

۲۔ تصویر کشیدہ کپڑے عموماً سادے کپڑوں سے زیادہ قیمتی ہوتے ہوں گے۔ اور معاشی لحاظ سے حضورؐ یہ گوارا ہی نہیں فرما سکتے تھے کہ کچھ لوگ تو پُر تکلف قیمتی لباس پہنیں اور کچھ لوگ چیتھڑے لگائے پھریں۔ حضورؐ کی خدمت میں ایک شخص نے قیمتی چوغہ پیش کیا۔ حضورؐ نے (اس کا دل رکھنے کو) زیب تن فرمایا لیکن جلدی اتار دیا اور اسے حضرت عمرؓ کو دے دیا۔ حضرت عمرؓ نے بھی اتباعِ سنت میں اسے پسند نہ کیا تو اسے فروخت کر دیا۔ ظاہر ہے کہ اس کا پہننا ناجائز نہ تھا لیکن حضورؐ کو امیرانہ ٹھاٹ باٹ اور نمائش سے نفرت تھی۔ حضورؐ آئیڈیل تھے اور اپنے طرزِ عمل سے لوگوں کو سادگی پیدا کرنے اور معاشی ہمواری قائم رکھنے کی ترغیب دیتے تھے۔ جب یہ دور بدل گیا۔ معاشی حالت درست ہو گئی اور ہیرو ورشپ (اکابر پرستی) کا سودا دماغوں سے نکل گیا تو ممانعت کی شدت

خود بخود ختم ہو گئی۔ چنانچہ بعد میں بہت سی نظیریں ایسی ملتی ہیں کہ صحابہ و تابعین نے ریشمی رومال بھی رکھے اور تصاویر بھرے کپڑے بھی استعمال کئے۔ اُس دور میں حضورؐ نے دو منزلہ مکان اور مساجد کو پختہ کرنے تک کی ممانعت فرمائی لیکن بعد میں یہ قدریں بدل گئیں۔ حدیث ۶ میں یہی اشارہ ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ عام امت کو تو کپڑے پہننے کو ملتے نہیں اور تم (عائشہؓ) دیواروں کو کپڑوں سے سجا رہی ہو۔

۲۔ تصاویر سے ممانعت کی ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ وہ دور بنیادی عقائد و اعمال کو پختہ کرنے کا تھا۔ اور ساری توجہ اساسی مقاصد کی طرف لگی ہوئی تھی۔ وہاں آرٹ کے لیے کہاں گنجائش تھی؟

یہ بات مشکل سے سمجھ میں آسکتی ہے کہ بیت اللہ میں تین سو ساٹھ تماثیل رکھے ہوں اور پھر بھی وہاں ملائکہ رحمت آنے سے نہ رکیں اور خود حضورؐ وہاں جا کر نماز بھی گزاریں اور طواف بھی کریں لیکن مدینے آتے ہی صرف ایک تصویر آویزاں ہونے سے ملائکہ آنے سے رک جائیں؟ اگر یہ راویوں کا اپنا قیاس یا اضافہ نہیں تو بات صاف ہے کہ اس دور میں شوقینی کرنا واقعۃً ملائکۂ رحمت کو داخلِ مکان ہونے سے روک دیتا تھا۔ یہ کچھ تصویر ہی پر موقوف نہیں۔ دولت جمع کرنے والے اور بے تصویر قیمتی لباس پہننے والوں کے گھروں میں بھی رحمت کے فرشتے نہیں آسکتے تھے حضورؐ نے اپنی بیٹی کے ہاتھ میں سونے کی زنجیر دیکھ کر اسے آگ کی زنجیر قرار دیا تھا لیکن کیا آج ہمارے علمائے کرام اسے فی الواقع زنجیر آتش مانتے ہیں؟ اگر وہ طلائی زنجیر خاص حالات اور مخصوص شخصیتوں کے لیے آتشیں زنجیر تھی تو یہ بھی مان لینا چاہیئے کہ تصویر والے گھر میں فرشتگانِ رحمت کا نہ آنا بھی مخصوص حالات اور خاص شخصیتوں کے ساتھ وابستہ ہے۔

یہاں لگے ہاتھوں ایک بات اور بھی سنتے چلئے۔ اگر آپ کا سدھایا ہوا کتا شکار پر چھوڑ دیا جائے اور وہ اسے پکڑ لے۔ پھر وہ شکار آپ کے پہنچنے سے پہلے مر جائے اور آپ کو ذبح کرنے کا موقع نہ ملے تو از روئے قرآن وہ شکار حلال ہے۔ آیت یہ ہے:

وما علمتم من الجوارح مکلبین تعلمونھن مما علمکم اللہ فکلوا مما امسکن علیکم واذکروا اسم اللہ علیہ۔

یہ ہے حکم قرآن کا۔ لیکن تصویروں والی حدیث میں یہ بھی ہے کہ اگر کسی گھر میں کتا ہو تو فرشتے وہاں بھی نہیں آتے۔ ہم سمجھتے ہیں یہ اگر راوی کا اضافہ نہیں تو یہ بھی خاص حالات کے ساتھ مخصوص ہے۔ اس لیے کہ یہ قرآنی اسپرٹ کے مطابق نہیں۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ جس شے کی وجہ سے فرشتگانِ رحمت نہ آئیں اس شے کا شکار (غیر مذبوحہ) حلال طیب ہو جائے؟ معلوم نہیں کیوں کتے کو اس درجہ ناپاک اور قابلِ نفرت سمجھ لیا گیا ہے۔ حنفیہ کا مسلک کتے کے معاملے میں اتنا سخت نہیں لیکن شوافع کا اسے نجس العین سمجھنا یقیناً محلِ نظر ہے۔

جو مشکل کتے کے مسئلے میں پیدا ہو گئی وہی تصویر کے معاملے میں بھی ہوئی - دونوں قرآنی روح کے مطابق نہیں معلوم ہوتیں۔

۴- تصاویر کی ممانعت کی ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ بعض تصاویر کو دیکھ کر (خصوصاً جب کہ اس میں فاحش عریانی ہو) جنسی قوت میں کچھ ہیجان سا پیدا ہو جاتا ہے اور خیالات میں نامناسب تموّج پیدا ہو کر کئی پوشیدہ آرزوئیں چٹکی لینے لگتی ہیں - احادیث میں یہ وجہ بیان نہیں کی گئی ہے - اس کا سبب یا تو یہ ہے کہ ایسی باتوں کا اظہار ہی مناسب نہ ہو یا وہ روایت ہم تک پہنچ ہی نہ سکی ہو - علاوہ ازیں یہ کوئی ضرور نہیں کہ جو وجہ اُس وقت نہ بیان کی گئی ہو وہ کبھی پیدا ہی نہ ہو -

۵- یکسوئی میں خلل آنا بھی ایک وجہ ہو سکتی ہے اور حدیث ۱۶ میں یہی اشارہ ہے -

۶- غرور بھی اس کا سبب ہو سکتا ہے چنانچہ مسند ابو داؤد طیالسی میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس تصویر دار چادر اوڑھے ہوئے تھے - ایک صاحب نے اعتراض کیا تو آپ نے کہا کہ حضورؐ نے فخر و غرور سے بچنے کے لیے تصاویر دار کپڑوں سے روکا ہے اور ہم لوگ اللہ کے فضل سے صاحب فخر و غرور نہیں -

غرض جس وقت جس قسم کی وجہ درپیش ہو گی اسی درجے کی شدّت یا خفّت ممانعت میں بھی پیدا ہو گی - اور ٹھیک اسی طرح جس درجے کی ضرورت پیش آئے گی اسی حد تک اس کے جواز کے درجے بھی مختلف ہوں گے - کسی موقعے پر تصویر کشی ضروری بھی ہو سکتی ہے - اور اگر کسی موقعے پر خیر اور شر کے دونوں پہلو موجود ہوں تو فتویٰ غالب عنصر کے مطابق ہو گا - ان احادیث میں الفاظ پرستی سے کام نہیں چل سکتا - ضرورت معنوی تفقہ و اجتہاد کی ہے نہ کہ محض لفظی پیروی کی -

حدیث ۱، ۷، ۸، ۹ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جاندار کی تصویر بنانے والے پر عذاب ہو گا اور اس سے کہا جائے گا کہ اس میں جان ڈالو - نیز تصویر کشی خدا کی قوتِ تخلیق کی نقالی ہے - نیز درخت یا بے جان شے کی تصویر میں کوئی حرج نہیں ــــــ یہ تناقض بھی قابلِ غور ہے - سوال یہ ہے کہ کیا درخت کی تصویر بنانے والے سے یہ کہا جائے گا کہ اس میں "نمو" پیدا کرو؟ اگر نہیں تو پھر جاندار کی تصویر بنانے والے کو یہ حکم کیوں ہو کہ اس میں جان پیدا کرو؟ نیز ایک بالشت کا اونٹ بنانے والے سے تو یہ کہنا چاہیئے کہ پہلے اسے مکبّر (ENLARGE) کر کے مجسم کرو پھر اس میں جان ڈالو - پھر اگر جاندار کی تصویر تخلیق خداوندی کی نقالی ہے جیسا کہ حدیث ۷ اور ۹ سے ظاہر ہے تو درخت اور پہاڑ کی تصویر بنانا کیوں نقالی نہیں جب کہ حدیث ۹ اسی کی غمازی کر رہی ہے؟ پھر یہ بھی سوال ہو سکتا ہے کہ حدیث ۱۱ اور ۱۲ کی کیا توجیہہ ہو گی جس میں کپڑے پر بنی ہوئی تصاویر کو جائز کہا گیا ہے؟

آخر اس کا مطلب کیا ہوگا کہ پردے کی تصویر ناجائز اور پہننے اوڑھنے یا بچھانے اور تکیہ و توشک کی تصویریں جائز! غرض ان روایات میں اتنا تناقض و اضطراب ہے کہ ان سے کسی ایک فیصلے پر پہنچنا دشوار ہے۔ یہ دشواری شارحین حدیث کو بھی پیش آئی ہے۔ چند مثالیں ملاحظہ فرمائیے جو مولانا سید سلیمان ندوی نے اپنے مضمون میں بھی درج کی ہیں:

۱۔ عینی شارح بخاری کے نزدیک بت پرستی کے شائبوں سے الگ رکھنے کے لیے یہ ابتدائی حکم تھا۔ توحید پختہ ہو جانے کے بعد تصاویر والے کپڑوں کی اجازت دیدی گئی کیونکہ جس تصویر میں تعظیمی پہلو نہ ہو بلکہ استحقار ہو وہ جائز ہے۔

۲۔ طبری لکھتے ہیں کہ جن چیزوں کی پرستش کی جائے ان کی تصویر بنانا ممنوع ہے۔

۳۔ خطابی بھی تقریباً یہی کہتے ہیں۔

۴۔ ابوجعفر طحاوی کہتے ہیں کہ تصویر دار کپڑے ممنوع ہیں اور وہ تصویریں بھی جو عیسائی اپنی عبادتگاہوں میں بناتے ہیں۔ جو تصویر دار کپڑے بچھائے جائیں جو روندے جاتے ہیں وہ جائز ہیں اور یہی مسلک ابوحنیفہ، محمد اور ابویوسف کا بھی ہے۔

۵۔ ہدایہ و شامی و عالمگیری میں تصویروں والے کپڑے پر نماز جائز ہے مگر تصویر پر سجدہ نہ کیا جائے۔

۶۔ ابواللیث سمرقندی کا بھی یہی مسلک ہے۔

۷۔ ابن حجر کہتے ہیں کہ اگر تعظیمی پہلو نہ ہو تو صرف تصاویر ہی نہیں تمثال (مجسمے) بھی جائز ہیں۔ یعنی روندی جانے والی تصویریں درست ہیں اور لٹکائی جانے والی نہیں۔ ثوری، ابوحنیفہ اور شافعی کا بھی یہی مسلک ہے۔ ابن حجر کے نزدیک آدھی تصویر جائز ہے اور آدھا مجسمہ بھی۔

۸۔ حنابلہ کے نزدیک تصویر دار کپڑا لٹکانے میں بھی مضائقہ نہیں ہاں اگر اس سے دیوار چھپائی جائے تو جائز نہیں۔

۹۔ گڑیا کا مجسمہ سب کے نزدیک جائز ہے۔

۱۰۔ مولانا سید سلیمان کے نزدیک آدھی تصویر یا مجسمہ بھی جائز ہے اور عکسی فوٹو پورا بھی جائز ہے۔ انتہیٰ ملخصاً

ہم نے طوالت سے بچنے کے لیے اصل عبارت کو حذف کرکے بہت اختصار سے کام لیا ہے۔ دکھانا یہ ہے کہ اخذ نتائج میں خاصہ اضطراب (CONFUSION) دکھائی دیتا ہے۔ یہ دلیل عجیب و لچسپ ہے کہ ممنوع تو جاندار کی تصویر ہے اور آدھا آدمی یا جانور جاندار نہیں ہوتا۔ لہٰذا آدھے آدمی یا بیل کی تصویر جائز ہے۔ اسے فقہی

حیلہ گری تو کہہ سکتے ہیں لیکن یہ دلیل نہیں بن سکتی۔ سوال یہ ہے کہ جب آپ کسی کا فوٹو اتار رہے ہوتے ہیں۔ —— خواہ وہ پورا ہو یا آدھا —— اس وقت وہ زندہ ہوتا ہے یا بے جان؟ کیا آدھی (ہاف ٹون) تصویر لینے میں تصویر کھنچوانے والا فوراً ہی مرجاتا ہے؟ اگر وہ زندہ ہے تو خواہ پوری تصویر ہو یا کمر تک ہو یا صرف چہرہ ہو وہ بہرحال جاندار ہی کی تصویر ہے اور پوری تصویر اور آدھی تصویر میں یہاں ذرہ برابر بھی کوئی فرق نہیں۔ ان دونوں میں فرق پیدا کرنا محض فقہی موشگافی ہے۔

پھر یہ بھی دیکھئے کہ یہ حضرات علتِ حرمت تو بتاتے ہیں تعظیم کو اور بحث کرتے ہیں آدھی اور پوری تصویر کے جواز اور عدم جواز پر۔ گویا ان کے خیال میں آدھی تصویر کی کوئی تعظیم نہیں کرتا اور پوری تصویر ہو تو مرادیں بھی مانگی جاتی ہیں۔ پھول اور چڑھاوے بھی چڑھائے جاتے ہیں۔ پھر ایک علت یہ بھی بتاتے ہیں کہ فرشتے تصویر والے گھر میں (یا جس میں کتا ہو) نہیں آتے۔ گویا پوری تصویر یا مجسمہ (یا کتا) ہو تو فرشتے نہیں آئیں گے اور اگر آدھا دھڑ (یا مرا ہوا کتا) ہو تو فرشتے بڑے شوق سے آکر برکت کے پھول برسائیں گے۔ کیونکہ انہیں آدھی تصویر یا مجسمہ دیکھ کر یہ دھوکا ہو سکتا ہے کہ یہ تو بے چارے مردے کی تمثال ہے اب محض اس کی وجہ سے اندر آنے سے کیوں انکار کیا جائے؟

پھر تحقیر و تعظیم کی بحث بھی عجیب ہے جس کی معین حدود کا پتہ نہیں چلتا۔ دیوار پر لٹکاؤ تو تعظیم ہوجاتی ہے اور فرش بنا کر روندو تو تحقیر ہوجاتی ہے۔ گویا تصویر یا تو تعظیم کے لیے ہو سکتی ہے یا اہانت کے لیے۔ درمیانی درجہ کوئی نہیں۔ پھر تکیہ ہو تو اس کا شمار بھی تعظیم کی بجائے اہانت میں ہو جاتا ہے۔ خواہ سر کے نیچے ہی کیوں نہ ہو۔ آج دنیا میں ایک متنفس بھی ایسا نہیں جو اپنے دوست و قریب، بزرگ و خورد یا بال بچوں کی تصویریں اس لیے کھنچوائے کہ اسے تکئے، توشک یا فرش میں لگا کر تحقیر کرے گا اور تحقیر کی غرض یہ ہو کہ اس سے تصویریں جائز ہو جائیں گی۔ ہر شخص ایسے فوٹو یا تو البم میں رکھتا ہے یا میز پر۔ یا پھر آویزاں کرتا ہے۔ اس سے مقصود نہ تعظیم ہوتی ہے نہ تذلیل۔ صرف ایک قلبی رابطے یا تاثر کی ایک یادگار ہوتی ہے۔ حقیقت صرف اتنی ہے کہ تحقیر کوئی ضروری شے نہیں۔ صرف عدم تعظیم کافی ہے۔ یہ کوئی ضرور نہیں کہ سر سیدؒ کی آدھی یا پوری تصویر ہمارے سامنے آئے تو ہم ضرور اسے نیچے رکھ کر روندیں اور فقیہانہ حیلۂ تحقیر پر عمل کریں۔ بس اتنا کافی ہے کہ اس کے آگے ڈنڈوت نہ کریں۔ اسے باعثِ برکت نہ سمجھیں۔ اس کے آگے بخور نہ جلائیں۔ اسے سلام نہ کریں وغیرہ وغیرہ۔ بس زیادہ سے زیادہ ایک قیمتی یا غیر قیمتی یادگار سمجھیں۔ محبت کا تقاضا ہے اپنے محبوب کی یادگار رکھو —— خواہ وہ تصویر ہی کیوں نہ ہو —— عزیز رکھنا۔ بس "عزیز رکھنے" کا جو مفہوم ہے اس سے آگے قدم نہ بڑھانا

کافی ہے۔ تحقیر ضروری نہیں۔

آج جن زندہ حضرات کے فوٹو ہم نے دیکھے ہیں ان میں سے ایک محترم دوست کا فتویٰ تو یہ ہے کہ فوٹو ناجائز ہے۔ پھر اپنا فوٹو بھی کھنچوایا۔ جب لوگوں نے اعتراض کیا تو فرمایا کہ میری لاعلمی میں یہ فوٹو لیا گیا ہے، (حالانکہ اس کا پوز بتا رہا ہے کہ یہ شوق سے کھنچوایا گیا ہے) اس کے بعد اپنے ماہنامے کے رسائل و مسائل میں لکھتے ہیں کہ فلموں سے بہت سے مفید کام بھی لیے جاسکتے ہیں۔ آخر یہ کیا گڑبڑ (CONFUSION) ہے؟ دراصل یہ سب حضرات اندر سے فوٹو میں کوئی شرعی حرج نہیں سمجھتے لیکن کچھ روایات کا مصنوعی احترام اور کچھ عوام یا مفتیوں کے پیچھے پڑ جانے کا خوف انہیں دل کی بات کہنے سے روک دیتا ہے۔

سیدھی بات یہ ہے کہ تصویر خواہ وہ آدھی ہو یا پوری، جاندار کی ہو یا بے جان کی، منقوشہ ہو یا مجسمہ سب کا سب اصالۃً بلاکراہت جائز ہے بشرطیکہ وہ محلِ تعظیم میں نہ ہو۔ تصویر کبھی بھی اصالۃً ناجائز نہیں رہی ہے۔ عہدِ نبویؐ میں کئی موقعوں پر ضرورۃً اس سے روکا گیا۔ وہ وجوہ جس دور میں بھی پائی جائیں گی اپنے درجات کے مطابق ان سے روکنے میں شدت و خفت سے کام لیا جائے گا۔ اس کی اقدار اباحت و کراہت ہر موقع و محل کے مطابق نئے سانچے میں ڈھلتی رہیں گی۔ تعظیم جس درجے کی ہوگی اسی درجے کی شدت سے اسے روکا جائے گا۔ تصویر کے جواز میں بعض اکابر کا عمل بھی پیش کیا جاسکتا ہے۔ مولانا سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں:

(۱) حضرت عبداللہ بن عباس نے تصویر دار چادر اوڑھی ہے جس کا ذکر اوپر آچکا ہے۔

(۲) بیت النبیؐ میں حضرت عائشہؓ کی گڑیوں کا ثبوت بھی ملتا ہے۔ بخاری، ابوداؤد، مسند میں یہ روایتیں موجود ہیں (حضرت عائشہؓ نے دراصل محلے کی کمسن بچیوں کے لیے یہ گڑیاں منگوا رکھی ہوں گی کیونکہ آپ اس وقت سولہ سترہ سال سے کم کی نہ تھیں اور شاید یہ عمر گڑیاں کھیلنے کی نہیں ہوتی)۔

(۳) زید بن خالد تابعی تصاویر دار کپڑے استعمال کرتے تھے۔ (بخاری، مسلم، ابوداؤد)

(۴) حضرت ابوبکرؓ کے پوتے اور فقیہہ مدینہ قاسم بن محمد کے گھر میں عنقا اور قندس کی خیالی تصویریں تھیں۔ (فتح الباری بحوالہ مصنف ابن شیبہ) شاید یہاں یہ کہہ دیا جائے کہ یہ واقعی کسی زندہ پرندے کی تصویریں نہ تھیں۔

(۵) امام المحدثین حضرت عروہ (حضرت عائشہؓ کے بھانجے) کے تکیوں پر پرندوں اور انسانوں کی تصاویر بنی ہوئی تھیں (ایضاً) اور ان کے بٹن میں انسانی چہرے کی تصویریں بنی تھیں (طبقات ابن سعد)

(۶) حضرت انس بن مالک کی انگوٹھی کے نگینے پر شیر کی تصویر بنی تھی۔ (اسد الغابہ)

(۷) حضرت ابوہریرہؓ کی انگشتری کے نگینے پر دو مکھیوں کی تصویریں تھیں (عینی فی شرح ہدایہ)

(۸) حضرت ابوموسیٰ اشعری کی ایک انگوٹھی میں دو شیروں کی تصویر تھی جن کے درمیان ایک لڑکا کھڑا تھا (ایضاً)
(۹) عہد فاروقی میں جب مدائن کا شاہی قلعہ فتح ہوا تو صحابۂ کرام نے اس میں نماز باجماعت ادا کی حالانکہ وہاں جابجا پیدلوں اور سواروں کی نہ فقط تصویریں بلکہ مجسمے بھی موجود تھے۔ (طبری) اسے مولانا شبلی نعمانی نے بھی الفاروق میں نقل کیا ہے۔) انتھٰی ملخصاً و ملتقطاً

موجودہ دور میں فوٹوگرافی نے فلموں کی جو مفید یا مضر شکلیں اختیار کی ہیں وہ اس سلسلے کی بڑی اہم کڑیاں ہیں۔ لیکن اس وقت ہمارا یہ موضوع نہیں۔ یہاں صرف اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ یہ مضر سے مضر اور مفید سے مفید دونوں مقاصد کے لیے موثر ترین ذریعہ ہوسکتا ہے۔ چنانچہ مقصد اور نتائج کے لحاظ سے کسی فلم کے مضر یا مفید ہونے کا فیصلہ دیا جا سکتا ہے۔ اور نفس فوٹوگرافی کے جواز و عدم جواز کا کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔

سیاستِ شرعیہ

مؤلفہ رئیس احمد جعفری

دنیا بادشاہت، آمریت، جمہوریت، اشتراکیت اور اشتمالیت کے نظاموں کا تجربہ کرچکی ہے۔ لیکن انسانیت کے دکھ کا مداوا کہیں نہیں ملتا۔ اسلام نے بھی اب سے چودہ سو برس پہلے ایک دستورِ حیات پیش کیا تھا جو دوسرے تمام نظاموں سے بالکل الگ اور منفرد حیثیت رکھتا ہے۔ سیاستِ شرعیہ میں قرآن اور حدیث کی روشنی میں اسی اجمال کی تفصیل ہے۔

اور یہ مصر کے مشہور مصنف علامہ عبدالوہاب خلاف کی تصنیف السیاسۃ الشرعیہ کا سلیس و شگفتہ ترجمہ ہے۔

قیمت ۔ ۵ روپے

سکھ مسلم تاریخ

مصنفہ ابوالامان امرتسری

سکھ تاریخ میں مسلمان بادشاہوں اور حکمرانوں کو سراپا غلط اور بے بنیاد الزام لگا کر بدنام کیا گیا ہے اور بعض مؤرخین نے تہذیب اور اخلاق کی تمام ذمہ داریوں سے بے نیاز ہوکر مسلمانوں کی تحقیر کی ہے۔ چونکہ وہ تاریخ ایک ایسی زبان میں تھی جس سے مسلمان عام طور پر آشنا نہ تھے اس لیے وہ اس تاریخ کا صحیح رنگ میں جائزہ نہ لے سکے اور نہ ہی اس کا ازالہ کر سکے اور اسی وجہ سے یہ زہر اندر ہی اندر اپنا کام کرتا رہا۔

ابوالامان امرتسری نے ان الزاموں کو سکھ تاریخ اور حقائق کی روشنی میں بے بنیاد ثابت کرکے واضح کیا ہے کہ یہ بہت عرصہ بعد مسلمانوں کو بدنام کرنے کے لیے وضع کئے گئے ہیں۔

قیمت تین روپے آٹھ آنے

ملنے کا پتہ: ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ۔ کلب روڈ۔ لاہور